© rasailojaraid.com

جناب مضطر عباسی

کالج اور مدرسے کا فرق

قدیم و جدید سرکاری اور غیر سرکاری نظام تعلیم کا تقابل اور جائزہ

ایک بے لاگ ایریشن

یہ حقیقت ہر کسی نے مان لی ہے کہ "ہمارا مروجہ نظام تعلیم" ان مقاصد کے حصول میں ناکام ہے جن کے لئے قوم کروڑوں روپے سالانہ کے حساب سے سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں پر خرچ کر رہی ہے یہ سوال کہ "تعلیم کے مقاصد کیا ہیں؟" ہماری آج کی معروضات کا مبحث یا موضوع نہیں۔ اس لئے کہ ہمارا نظام تعلیم کسی بھی قسم کے مقاصد کے حاصل کرنے میں کامیاب ثابت نہیں ہو رہا۔ نہ ہم نیک۔ صالح اور با کردار مسلمان تیار کر سکے ہیں۔ نہ اچھے اور قابل مصنّف، ادیب یا دانشور تیار ہو سکے ہیں اور نہ ہی سائنس اور علوم جدیدہ میں ہم نے پیش رفت کی ہے۔

ہم نے اپنے نظام تعلیم کو بہتر اور کامیاب بنانے میں جس قدر کوشش کی اسی قدر ناکامی اور نامرادی میں تیزی اور شدت پیدا ہوئی ہے۔

ہماری سوچ اور اندازِ فکر کا یہ عالم ہے کہ قومی خزانے سے کروڑوں روپے ہر سال سرکاری اور نیم سرکاری سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں پر خرچ ہو رہے ہیں اور ہم عربی مدارس اور جامعات کے نصاب میں تبدیلی مسجدوں میں سرکاری سکولوں کے اجرا اور دینی مدارس کو سرکاری تحویل میں لینے کے لئے تجاویز اور قراردیں پاس کر رہے ہیں اور عربی مدارس کے نادان دوستوں کا یہ حال ہے کہ حکومت سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ عربی مدارس کی اسناد کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے اور یہ نہیں سوچتے کہ اگر درس نظامی کے فارغ عالم کو الیف، اے۔ بی اے یا ایم اے کی سند دے دی گئی تو اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ اس سند کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو گی کہ ہمارے مدارس کے فارغ التحصیل دفتروں میں درجہ چہارم کے ملازم پولیس کے سپاہی یا فوج میں ادنیٰ درجے کی ملازمت حاصل کر سکیں گے اور اس سے آگے نہیں۔ اس لئے کہ ہمارے ہاں رواج اور چلن انگریزی کا ہے۔ ہمارے سرکاری ملازم سب نہیں تو اکثریت غدا ایسے ایسے لوگوں کی ہے جو دین کا ذہن اور سوچ نہیں رکھتے۔ فرائض سے غفلت اور ناجائز ذرائع سے ترقی حاصل کرنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے ہاں نہ صرف یہ کہ عیب نہیں بلکہ قابلیت اور خوش بختی کی علامت بن چکا ہے۔ رشوت کا جو حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان حالات میں جب ہمارے محترم قبلہ مولوی صاحب کسی عربی مدرسے کی سند لے کر ملازمت کے لئے کسی سرکاری ادارے کے اہلِ کار کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو وہ کہے گا حضرت ہمارے ہاں انگریزی جاننے والے کے لئے جگہ تو ہے۔ لیکن عربی۔ دینیات۔ قرآن و حدیث۔ یا فقہ اور منطق جاننے والے عالم کے لئے جگہ نہیں۔ وہ اہل کار یہ جواب اس لئے دے گا کہ وہ درخواست دہندہ کی موجودگی میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے مفادات کے لئے خطرہ محسوس کرے گا۔ وہ سوچے گا کہ مولوی صاحب چھ دن دفتر میں ہمارے ساتھ کام کریں گے اور ساتویں دن شہر کی بڑی مسجد میں جمعہ کی نماز سے پہلے رشوت ستانی کے خلاف تقریر کریں گے۔ اور ہمارے پوشیدہ کاروبار کی نوعیت بلکہ اس کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ اور اگر قبلہ مولوی صاحب نے ایسے خدشات کی روک تھام کا یقین دلا دیا تو ملازمت مل جائے گی۔ لیکن دین کا تقدس خاک میں مل جائے گا۔ چند روز بعد اِن میں اور اُن میں کچھ فرق باقی نہ رہے گا۔ البتہ عوام چلا اٹھیں گے کہ جب سے مولوی دفتر میں آئے ہیں حالات بد سے بدتر ہو گئے ہیں۔

معاف فرمائیں ہم مدارس عربیہ کی سند کے تسلیم کئے جانے کے خلاف نہیں بلکہ اس صورت حال کے خلاف ہیں کہ انگریزی عربی کو اہلیت کی سند دے۔ چاہیئے تو یہ کہ سرکاری اداروں کے تعلیم اور تربیت یافتہ عربی مدارس کے فاضل علماء کرام سے اچھے کردار کی اسناد حاصل کریں۔ اس لئے کہ عربی مدارس کا نظامِ تعلیم اپنے مقاصد میں کامیاب ہے جب کہ سرکاری مدارس کا نظام کامیاب نہیں۔ "الف" اور "ب" دو معالج ہیں "الف" جس کا علاج کرتا ہے دوسرے روز اس کا جنازہ اٹھتا ہے اور "ب" کے علاج سے ایک نہیں ہزاروں شفایاب ہو چکے ہیں اور ہم "ب" کو مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ "الف" سے اس بات کی سند حاصل کرے کہ وہ اچھا معالج ہے۔ بات صاف اور واضح ہے کہ سرکاری نگرانی میں چلنے والا نظامِ تعلیم ناکام ہو چکا ہے بار بار کے تجربات۔ نصاب کی تبدیلی۔ کتابوں کے الٹ پھیر۔ اساتذہ کی تربیت اور ٹریننگ کے باوجود ہم ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکے۔ جب کہ عربی مدارس نے اپنے مقاصد میں (جو بھی ان کے مقاصد ہیں) نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ پچھلے دنوں ایک صاحب بیگم نسیم ولی اور بیگم نصرت بھٹو کے بارے میں فرما رہے تھے کہ ایک نے سیاست میں آ کر اپنے خاوند کو جیل سے نکلوا لیا اور دوسری نے اپنے سرتاج کو جیل بھجوا دیا ہے۔ یہ بات تو معمولی سی ہے۔ لیکن ہمارے سرکاری اور عربی مدارس کے ہر دو نظاموں کے تقابل کو خوب نمایاں کر دیتی ہے۔

عربی مدارس والوں نے ۱۸۵۷ء سے انگریزی اقتدار کے خلاف تحریک چلائے رکھی اور سرکاری مدارس کے ڈگری ہولڈروں نے انگریزوں کی ملازمت اور ان کی خدمت کو کامیابی کا راز جانا۔ وہ بغاوت کرتے مار یں کھاتے اور دار و رسن کے مراحل طے کرتے رہے اور یہ عہدے، جاگیریں اور خطاب حاصل کرتے رہے دونوں کا اپنی اپنی جگہ دعویٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا کہ ہماری راہ درست اور صحیح ہے منزل ہمیں ملے گی۔ لیکن ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو واضح ہوا کہ انگریز دوستی کی راہ از اول تا آخر غلط تھی۔ علی گڑھ والے ہزار خلوص کے باوجود غلط تھے اور دیوبند والے لاکھ سادگی اور جدید علوم سے ناواقفیت کے باوجود درست اور صحیح تھے۔

۱۹۴۷ء کے بعد پھر مقابلہ شروع ہوا اور ۱۹۷۷ء میں یہ راز کھلا کہ عربی مدارس والے قوت کا سرچشمہ ہیں۔ ان کے تعاون کے بغیر نہ تو پی ایچ ڈی کی سند کام آتی ہے نہ کارخانوں کی دولت اور جاگیرداری کی قوت کارگر ثابت ہو سکتی ہے۔

عربی مدارس بے دست و پا ہیں۔ ان کی آمدن کا کوئی معقول ذریعہ نہیں۔ آمدن بجائے خود والدین اپنے اچھے اور ذہین بچوں کو بھی ان مدارس کی طرف جانے سے حتی الوسع روکتے ہیں۔ ان مدارس کے اساتذہ زمین پر سوتے۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے اور خیرات میں ملے ہوئے سوکھے ٹکڑوں سے پیٹ بھرتے ہیں۔ لیکن اپنے مقاصد میں سکولوں کے اساتذہ کالج کے پروفیسروں اور یونیورسٹیوں کے چانسلروں سے زیادہ باوقار زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان مدارس کی دو صد سالہ تاریخ شاہد ہے کہ کبھی کسی شاگرد نے اپنے استاد کے سامنے نظر نہیں اٹھائی۔ ادب اور احترام کا یہ عالم کہ استاد کی جوتیاں اٹھانے میں مقابلہ ہوتا ہے۔ آپ عربی مدارس کے ہزاروں بلکہ لاکھوں طالب علموں میں ایک بھی ایسا طالب علم پیش نہیں کر سکتے جو پس پشت اپنے استاد کا نام احترام سے نہ لیتا ہو جب کہ سرکاری سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے اور پڑھے ہوئے ننانوے فی صد اپنے استاد کے نام کے ساتھ صاحب کا لفظ بھی استعمال نہیں کرتے۔ آمنے سامنے ہوں تو سر یا جناب کہہ دیا جاتا ہے لیکن غیر موجودگی میں ماسٹر۔ پروفیسر وغیرہ کلمات ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے اور اکثریت ایسے شاگردوں کی ہے جنہوں نے اپنے اساتذہ کے نام رکھے ہوئے ہیں۔

بات لمبی ہو گئی کہنا صرف یہ تھا کہ عربی مدارس کا نظام تعلیم اپنے مقاصد میں کامیاب ہے جب کہ سرکاری مدارس کا نظام باوجود بے انداز مصارف کے ناکام ہے۔ ان حالات میں عربی مدارس والوں نے سرکاری مدارس سے اہلیت کی اسناد حاصل نہیں کرنی۔ بلکہ سرکاری مدارس والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے بھائیوں سے سبق سیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔

عوامی چین نے چند سالوں میں اپنے مقاصد کے حاصل کرنے میں بہت زیادہ بلکہ حیران کن حد تک ترقی اور کامیابی حاصل کی ہے۔ اس کامیابی میں راز کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ (چینی عوام) اپنا محاسبہ کرتے ہیں۔ اور جب کسی ایک پروگرام میں ناکام ہوتے ہیں تو ناکامی کے اسباب معلوم کرتے اور پھر پروگرام کو یکسر بدل دیتے ہیں۔ یعنی اس کا نظم و نسق اور قیادت بدل دیتے ہیں۔ چیئرمین ماؤ کا یہ دستور رہا ہے کہ جس " کیمون " میں پیداوار زیادہ ہوتی تھی تو وہ دوسری کیمون کے ذمہ داراں سے کہا کرتا تھا کہ اس کیمون میں جا کر کام کرنا سیکھو۔ اور ہمارے ہاں یہ حال ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرکاری مدارس اپنے مقاصد میں ناکام ہیں لیکن تجویز یہ پیش کی جارہی ہے کہ ان ناکام مدارس کے ذمہ داران سے ہدایت حاصل کرکے عربی مدارس والے اپنا نصاب اور نصاب تعلیم مرتب کریں جب کہ عربی مدارس کی انتظامیہ نامساعد اور ناموافق حالات کے باوجود اپنے دائرۂ کار میں کامیاب ترین انتظامیہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

میں ایک ایسے سرکاری کالج سے واقف ہوں جس میں ایف اے اور بی اے کی چار جماعتوں میں ایک سو سے کم طالب علم تھے ان میں سے سالانہ امتحان ہوا تو صرف تین طالب علم کامیاب ہوئے۔ اس کالج کے اساتذہ اور انتظامیہ پر حکومت ساٹھ ہزار روپیہ خرچ کرتی ہے جب کہ طلبا فیس دیتے ہیں۔ کتابیں۔ لباس۔ خوراک اور رہائش کے اخراجات ان کے والدین برداشت کرتے ہیں۔ گویا صرف اساتذہ اور انتظامیہ پر ہر سال تین لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ خرچ ہوتا ہے اس کے مقابلے میں کراچی کے ایک دینی مدرسہ میں جس میں پہلی جماعت سے ایم اے تک کی کلاسیں ہیں جدید تعلیم بھی ہے اور عربی مدارس کا درس نظامی بھی۔ طلبہ کی تعداد چار سو سے اوپر ہے۔ یہ سب مدرسہ ہی میں رہتے۔ ان کی خوراک۔ لباس۔ رہائش اور اسباب نوشت وخواند کا مدرسہ کفیل ہے اور پھر اساتذہ اور انتظامیہ کی تنخواہیں بھی ہیں لیکن سالانہ اخراجات تین لاکھ سے زائد نہیں۔

دیکھا آپ نے کالج اور مدرسے کا فرق۔ کالج میں طالب علم ایک سو سے کم اور سب کے سب گھر سے کھاتے اور والدین کی کفالت میں ہیں صرف چھ گھنٹوں کے لئے کالج آتے ہیں اور اخراجات ساڑھے تین لاکھ سالانہ سے زائد اور نتائج یہ کہ صرف تین طالب علم سند حاصل کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف مدرسہ ہے کہ ایک سو نہیں چار سو طالب ہیں تمام اخراجات مدرسہ کے ذمہ۔ تعلیم دونوں طرح کی اور نتائج سو فیصد کے قریب اور اخراجات صرف تین لاکھ روپیہ سالانہ۔

یہ تو تھی انتظامی امور کی بات۔ اب آئیے ذرا نصاب پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔ ہمارے سرکاری مدارس میں جدید سے جدید تر نصاب رائج ہے جب کہ عربی مدارس کا نصاب وہی پرانا درسِ نظامی ہے۔

تجربات شاہد ہیں کہ اصل چیز کتابیں نہیں بلکہ استاد اور شاگرد کے تعلقات ہیں۔ استاد صحیح معنوں میں اُستاد ہو تو کتابوں کے ادل بدل سے نتائج میں چنداں فرق نہیں پڑتا۔ یہ درست ہے کہ ملک وقوم کو جس قسم کے فاضل جوانوں کی ضرورت ہو اسی قسم کے مضامین کی تدریس ضروری ہے۔ اگر ہمیں سائنس دانوں کی ضرورت ہے تو سائنس کی تدریس کا اہتمام از بس لازمی ہے لیکن سائنس کے لئے کتاب کونسی پڑھائی جائے۔ کس مصنف اور کس ادارے کی کتاب داخلِ نصاب ہو، اس سے چنداں فرق نہیں پڑتا۔ استاذ قابل ہو اسے سائنس پر عبور ہو اور طلباء میں سائنس پڑھنے کی صلاحیت تو مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ " ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت " کے مصداق جو آتا ہے کتابوں میں ادل بدل کرتا ہے۔ فلاں مصنف کی کتاب ہو اور فلاں کی نہ ہو۔ فلاں کتاب میں فلاں مضمون یا باب پہلے ہو اور فلاں بعد میں۔ کتابیں فلاں ادارے کے شائع شدہ ہوں۔ کسی دوسرے کی نہیں۔ یہ اور اس قسم کی تبدیلیوں کو نصاب کی تبدیلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا نام دیا جاتا ہے۔ جبکہ یہ سلسلہ ہی بے حقیقت اور لایعنی ہے۔

جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ تعلیم کے مقاصد اور تدریس کے ماحول کی تبدیلی ہے۔ ہمارے اہل تعلیم کا مقصد ملازمت اور ملازمت کا مقصد اچھی تنخواہ ہے۔ اگر ہم تعلیم کا مقصد ملازمت اور اچھی تنخواہ کا حصول بدل دیں۔ تو پورے نظام تعلیم میں واقع اسّی فی صد خرابیاں خود بخود دور ہو جائیں گی۔ باقی رہا تعلیم کا ماحول اس کے بدل ڈالنے سے اخراجات برائے نام رہ جائیں گے۔ اور بیس فی صد باقی ماندہ خرابیاں بھی دور ہو جائیں گی۔ اور یوں ہمارا نظام تعلیم خرابیوں سے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ قوم کے خزانے پر بوجھ بھی نہیں رہے گا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہم ملک کے سیاسی نظام کو اسلامی بنانے کے ساتھ ساتھ ملک کے تعلیمی نظام کو بھی اسلامی بنائیں۔ اسلامی نظام میں پوری قوم ایک اکائی ہوتی ہے۔ قوم کے افراد تقسیم کار کے اصول کے مطابق مختلف کام کرتے ہیں سرکاری ملازم اور آزاد کاروبار کرنے والے دونوں یکساں مراعات کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور جب کوئی شخص کام کرنے کے قابل نہیں رہتا تو اسے وظیفہ یا پنشن دی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ سرکاری ملازم کا علاج مفت ہو اور ۲۵ سال ملازمت کرنے کے بعد اسے پنشن بھی ملے اور آزاد کام کرنے والوں کا نہ علاج مفت ہو نہ ان کے بچوں کو مراعات حاصل ہوں اور نہ انہیں پنشن کا حق حاصل ہو۔ اب ملک میں تقسیم کار یہ اسلامی اصول رائج کریں۔ ہر کارکن کو محض کارکن ہونے کی حیثیت سے مراعات کا مستحق سمجھیں۔ کسی دفتر کا چپڑاسی ہو یا انچارج دونوں کو معاشرے کے مفید کارکن تصور کریں۔ کارخانے کا مزدور ہو یا وزارت کی کرسی کا مالک دونوں کو معاشرے کا دست و بازو خیال کریں۔ اور پھر دونوں کو ان کی ضروریات کا خیال کرتے ہوئے بیت المال سے وظیفہ دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اعلیٰ تعلیم زیادہ تنخواہ کا باعث نہیں رہے گی۔ لوگ صرف اور صرف عزت اور ذہنی سکون کے لئے تعلیم حاصل کریں گے۔ اور جب تعلیم کا مقصد عزت اور ذہنی سکون ہوگا تو نقل، چوری، سفارش اور اسناد کے حصول کے دوسرے تمام ناجائز طریقے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

ہمیں سرمایہ دارانہ نظام کے حامیوں نے ایک بات سکھائی ہے اور وہ یہ کہ انسان صرف اور صرف مالی مفادات کے حصول ہی کے لئے کام کرتا ہے۔ اس غلط سوچ کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم نے بچوں اور جوانوں کو یہ تاثر دیا کہ زیادہ محنت کر کے اعلیٰ تعلیم حاصل کرو گے تو زیادہ پیسے ملیں گے۔ گویا روز اول سے ہمارے طالب علم کا مقصد پیسے اور دولت بن گیا ہے۔ چونکہ دولت کا حصول اعلیٰ تعلیم سے وابستہ سمجھ لیا گیا ہے اس لئے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور جب ایک شخص اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کر سکتا تو وہ غلط راہوں سے آگے بڑھ کر اعلیٰ تعلیم کی سند حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تعلیم نہ پہلے حصول دولت کا ذریعہ تھی اور نہ اب ہے۔ ہم اپنے ارد گرد نگاہ ڈالیں تو بے شمار جاہل صاحب دولت نظر آئیں گے۔ جن کے ڈیروں پر اہل علم ادنیٰ ملازموں کی حیثیت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کام کرتے ہیں ہم نے خواہ مخواہ تعلیم کا مقصد دولت قرار دے کر یہاں حقائق کے منہ پر تھوکا ہے وہاں علم کی توہین بھی کی ہے۔ دینی تعلیم ہو یا دنیاوی، ان میں سے ایک بھی حصول دولت کا ذریعہ نہیں۔ تعلیم یافتہ ہر دور میں مال و دولت کے اعتبار سے محتاج ہی رہے ہیں جب حقیقت یہ ہے کہ تعلیم دولت حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں تو ہمیں اپنے نظام تعلیم کی اصلاح کے لئے جو کام سب سے پہلے کرنا ہے وہ یہ ہے کہ طالب علموں کے ذہنوں سے تعلیم کے مقصد کے بارے میں غلط تصورات نکالے جائیں اور انہیں احساس دلایا جائے کہ تعلیم بذاتِ خود ایک عظیم مقصد ہے۔ نیز تعلیم کا اگر کوئی مقصد ہو سکتا ہے تو وہ حقائق کا ادراک اور شعور ہے۔ تعلیم حاصل کرنے سے انسان عزت تو حاصل کر سکتا ہے لیکن دولت نہیں۔

مشکل ترین کام یہی ہے کہ ہم تعلیم کے مقصد کے بارے میں اپنے اور اپنے تلامذہ کے خیالات کی اصلاح کریں۔ یہ کام اس وقت تک مشکل ہی رہے گا جب وقت تک زندگی اور معاشرے کا پورا نظام اسلام کے فطرتی اصولوں پر استوار نہیں ہو جاتا۔ ممکن ہے کوئی صاحب کہہ دیں کہ پہلے نظام تعلیم میں اصلاح ہو گی۔ پھر اصلاح یافتہ نظام تعلیم سے استفادہ کرنے والے نوجوان نظم مملکت کی باگ ڈور سنبھالیں گے تب ہمارے دوسرے نظاموں میں اصلاح ہو سکے گی۔ گویا پہلے بُرے انسان اچھے انسان تیار کریں گے اور پھر یہ اچھے انسان برے انسانوں کی اصلاح فرمائیں گے ایسی سوچ ان لوگوں کی ہے جو یا تو اصلاح چاہتے نہیں اور ان کا نفس انہیں اس قسم کی باتیں سمجھاتا رہتا ہے اور یا یہ لوگ عمرانیات کے اصولوں اور ریاضی کے اصولوں میں امتیاز نہیں کر پاتے معاشرے کی اصلاح کا تعلق علم عمرانیات سے ہے۔ اور عمرانیات کے اصول ہر حال میں اور ہر زمانے میں یکساں نتائج کے حامل نہیں ہوا کرتے۔ ہم سب خواہ ہمارا تعلق براہ راست تعلیم سے ہے یا کسی دوسرے شعبے سے ہے۔ ہم تاجر ہیں یا کاشتکار۔ مزدور ہیں۔ یا ملازم۔ فوج میں کام کرتے ہیں یا کسی پرائیویٹ ادارے میں بغرض ہم کام اور پیشے کے لحاظ سے کچھ بھی ہیں۔ ہم سب یہ بات محسوس کرتے ہیں کہ جس معاشرے میں ہم جی رہے ہیں یہ معاشرہ صحیح نہیں۔ یہ معاشرہ اصلاح ہی نہیں انقلاب چاہتا ہے یہ معاشرہ اسی لائق ہے کہ اسے بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا معاشرہ قائم کیا جائے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم اس غلط اور ناہنجار معاشرے کے خلاف ہیں تو پھر اسے ختم کیوں نہیں کر دیتے۔ سو عرض ہے کہ اس معاشرے میں مٹھی بھر افراد ایسے ہیں جن کا فائدہ اسی لوٹ کھسوٹ کے نظام سے وابستہ ہے۔ یہ لوگ چہرے بدل بدل کر اقتدار کی مسند پر آتے اور ہم سب کی مرضی کے خلاف اس موجودہ معاشرے کو سہارا دئے ہوئے ہیں۔

میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ جو لوگ ہمارے عربی مدارس کے ارباب بست و کشاد سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ یہ لوگ اپنے نظام یا نصاب تعلیم کو بدل دیں ان کا مقصد ہمارے اس احساس کو ختم کرنا یا اس کی شدت کو کم کرنا ہے کہ موجودہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشرہ یکسر بدل دینے کے لائق ہے۔ جب ہمارے عربی مدارس کا نصاب سرکاری نصاب کے مطابق بدل جائے گا اور ہمارے مدارس کی اسناد کی وہی قدر و قیمت ہو گی جو سرکاری مدارس کی اسناد کی ہے۔ اس وقت ہمارے عربی مدارس کے طلبہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد سرکاری ملازمتوں میں چلے جائیں گے۔ اور ملازمت کی پہلی شرط یہ ہے کہ سیاسی بات نہیں کرنی۔ سیاسی سوچ سے ذہن کو خالی رکھنا ہے اور جب ہمارے عربی مدارس کے فارغ التحصیل حضرات بھی غیر سیاسی بن جائیں گے تو پھر کون ہو گا جو معاشرے میں تبدیلی یا انقلاب کا نام لے گا یوں سمجھئے کہ جو اصحاب اقتدار موجودہ معاشرے سے مستفید ہو رہے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ کوئی صورت ایسی پیدا کی جائے کہ عربی مدارس سے فارغ ہونے والے بھی سیاست کا نام نہ لے سکیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ سرکاری مدارس میں علم سیاست کو بطور نصاب پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے۔ لیکن ان مدارس کی سند حاصل کرنے کے بعد انسان ملازمت میں جاکر غیر سیاسی بن جاتا ہے اور عربی مدارس جن میں سیاست کے موضوع پر کوئی کتاب یا رسالہ نہیں پڑھایا جاتا۔ یہاں سے سیاست دان پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے سیاست دان جو اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے برطانوی سرکار اور بعد میں سامراجی اور مغربی اقوام کی گماشتہ حکومتوں کے لئے وجہ پریشانی بنے رہے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ نصاب کی تبدیلی سے مقصد حاصل نہیں ہو گا۔ بلکہ حصول مقصد کے لئے ہمیں ایک تو تعلیم کا ماحول بدلنا ہو گا یعنی سرکاری مدارس کے ماحول کو عربی مدارس کے ماحول کے قریب تر لانا ہو گا اور دوسرے تعلیم کے مقصد کے بارے میں اپنے اور اپنے تلامذہ کے ذہنوں کو صاف کرنا ہو گا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس تبدیلی کے آغاز کی کیا صورت ہو گی۔ پہل کون کرے گا۔ اگر سرکاری نظام تعلیم کے حامیوں نے پہل کی تو گویا عربی مدارس کے نظام کو بدلا جائے گا اور اگر عربی مدارس والوں نے پہل کی تو سرکاری مدارس کے حامیوں کی سوچ کی تبدیلی کے امکانات روشن ہو سکیں گے۔ لہٰذا میں تجویز کے طور پر عرض کروں گا کہ وفاق المدارس کے تحت کسی ایک مدرسے میں علوم جدیدہ کی ایک کلاس شروع کی جائے۔ تین چار سال تک تدریس کا کام کرنے کے بعد ارباب بست و کشاد کو دعوت دی جائے کہ وہ اپنے معیار پر ہمارے تیار کئے ہوئے طالب علموں کا امتحان لیں اور جب یہ طالب علم امتحان میں سرکاری یونیورسٹیوں کے طلبہ کے معیار پر پورے اتریں تو ہم عرض و معروضات کے ذریعے اس کے بعد اخبارات اور عوام کی تائید اور حمایت کے ساتھ اور اس کا بھی اثر نہ ہو تو اعلیٰ عدالتوں کے ذریعے ارباب بست و کشاد سے مطالبہ کریں اور انہیں مجبور کریں کہ وہ عربی مدارس کے نظام تعلیم کی وسعت اور اہلیت کو تسلیم کر کے یہی نظام تعلیم ملک میں رائج کریں ـــــ چونکہ ہمارا تجربہ کم وقت اور کم مصارف کا حامل ہو گا اس لئے ہم عدالت میں یہ موقف اختیار کر سکیں گے کہ جو کام کم وقت اور کم اخراجات میں پورا ہو سکتا ہے ہمارے حکمران یا سرکاری ملازم اس کام کے لئے زیادہ وقت خرچ کر کے قومی نقصان کا ارتکاب کر رہے ہیں:

© rasailojaraid.com